بُری معیشت زبان کو بھی متاثر کرتی ہے

تحریر: سہیل احمد لون

اردو مرکز لندن کی طرف سے 5 نومبر بروز سوموار ہاؤس آف لارڈز میں ایک پُر وقار تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس کی صدارت لارڈ نذیر احمد نے کی جبکہ پروگرام کے مہمان خصوصی اکادمی ادبیات کے سابق چیئر مین، اردو مرکز لندن کے بانی و معروف شاعر افتخار عارف تھے۔ اردو مرکز لندن کے چیئر مین ڈاکٹر جاوید شیخ اور شاعر و ٹی وی پریزینٹر فیضان عارف پروگرام کے میزبان تھے۔ پروگرام میں مخصوص لوگوں کو دعوت نامے جاری کیے گئے تھے۔ پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں بھارت اور پاکستان سے مختلف مکتبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے شرکت کی۔ شرکاء کی تعداد کمرے میں موجود کرسیوں سے زیادہ تھی۔ دیارِ غیر میں اردو زبان کے حوالے سے ایسے پروگرام ہونا اور اس میں ایسی حاضری اس بات کی علامت ہے کہ ہم دیارِ غیر میں بسنے کے باوجود اپنی زبان اور وطن سے محبت کرتے ہیں۔ پروگرام کا پہلا حصہ جناب افتخار عارف کی ادبی خدمات کے تعارف اور شرکاء سے سوال و جواب کا تھا جبکہ دوسرے حصے میں جناب افتخار عارف نے اپنا کلام سنا کر حاضرین سے داد وصول کی۔ ادبی پروگرام برطانیہ کے ہر حصے میں تسلسل کے ساتھ منعقد ہوتے رہتے ہیں جو ہماری زبان اور کلچر کو بیرون ملک زندہ رکھتے ہیں۔ ایسی تقریبات کا انعقاد کرنے والے یہ وہ لوگ ہیں جو وطن سے دور اہل وطن اور اردو زبان سے محبت اور اس پر دسترس رکھنے کی سند بھی رکھتے ہیں۔ ان تقریبات میں جب کوئی دانشور، اہل علم اور اہل ہنر پاکستان سے خصوصی طور پر شرکت کرے تو اس سے ایک سوال اکثر کیا جاتا ہے کہ ہماری قومی زبان اردو کا مستقبل کیا ہے؟ اپنی زبان کی فکر بھی دیارِ غیر میں مقیم پاکستانیوں کو ملک میں درپیش دیگر مسائل کی طرح پریشان کیے رکھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو دنیا میں بولی جانے والی تیسری بڑی زبان ہے مگر اس کے باوجود ہماری زبان تنزلی کا شکار ہے اگر تعداد سے عروج و زوال کا تعین ہوتا تو اس وقت مسلمان کم از کم یہودیوں پر تو ضرور غالب ہوتے لیکن غالب ہونے کے لیے تعداد سے زیادہ معاشرے میں موجود اہل فکر، اہل دانش اور اہل ہنر کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کا معیار اور ان کا مثبت استعمال، حب الوطنی، دیانتداری اور خودی پر ہوتا ہے۔ یہودیوں نے اپنی زبان کو غالب نہ سہی مگر آزاد ضرور کیا ہے۔ جاپان، جرمنی، فرانس اور چین جیسے کئی ممالک ایسے ہیں جنہوں نے اپنی زبان میں ترقی کی، اپنی تہذیب اور روایات کو نہیں چھوڑا۔ آخری دہائی میں چینی زبان سیکھنے کا رجحان سب سے زیادہ دیکھنے میں آیا ہے جس کی بنیادی وجہ چین کی معاشی ترقی ہے۔ دنیا میں آج بھی بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں انگریزی نہ تو سرکاری زبان ہے اور نہ ہی نصاب تعلیم میں اسے لازمی مضمون کا درجہ دیا گیا ہے لیکن وطن عزیز میں یہ صرف اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے جب ملک کی خودمختاری اور حاکمیت میں کسی بیرونی طاقت کی بالواسطہ یا بلاواسطہ شراکت نہ ہو۔ زبان کی ترقی کا ملک کے معاشی نظام سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ایک ڈائریکٹر آف ایجوکیشن اپنی ٹیم کے ساتھ کسی سرکاری سکول کا دورہ کرنے جاتے ہیں۔ سکول کے معائنے کے دوران وہ ایک کلاس میں داخل ہوتے ہیں جہاں اردو پڑھائی جا رہی ہوتی ہے۔ معائنے پر آئی ہوئی ٹیم کلاس کے مانیٹر کو اردو کی کتاب میں سے چند لائینیں پڑھنے کو کہتے ہیں بچہ لفظِ ''چونکہ'' پر پہنچتا ہے تو اسے ''چو'' ''نکا'' پڑھتا ہے۔ بچے کو

دوبارہ یہ لفظ پڑھنے کو کہا جاتا ہے تو بچہ پھر ”چو نکا“ ہی پڑھتا ہے۔ بعد میں جماعت کے دیگر طالب علموں سے پوچھا جاتا ہے تو سبھی اسے چو نکا ہی پڑھتے ہیں۔ معائنے پر آئی ٹیم کلاس میں موجود استاد سے پوچھتی ہے کہ آپ نے بچوں کو کیا پڑھایا ہے؟ استاد بھی اس لفظ کو چو نکا ہی پڑھتے ہیں۔ معائنے پر آئی ٹیم سکول کے ہیڈ ماسٹر کے پاس جا کر استاد کی شکایت کرتے ہیں کہ اس سکول میں استاد کا یہ حال ہے کہ وہ بچوں کو چونکہ کی بجائے چو نکا پڑھا رہے ہیں۔ ہیڈ ماسٹر نے ان کو جواب دیا کہ جتنے پیسے اس استاد کو ملتے ہیں اس میں تو ایسا پڑھانے والے ہی ملیں گے۔ یہ سچ ہے کہ زندگی کے دیگر معاملات کی طرح معیار تعلیم پر بھی معاشی بد حالی اثر انداز ہوتی ہے۔ اردو زبان تو ویسے ہی اپنی قومی زبان ہے سو گھر کی مرغی دال برابر......! اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری عوام پر پرائی تہذیب اور زبان کا جادو چل چکا ہے جس کے سحر سے بہت کم لوگ آزاد ہیں۔ اب حالات یہ ہیں کہ کہیں اچھی جگہ بہتر ملازمت کے لیے قومی زبان پر دسترس کوئی اہمیت نہیں رکھتی مگر انگریزی زبان پر مہارت پیشہ وارانہ مہارت پر حاوی ہو جاتی ہے۔ قومی زبان کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قومی اسمبلی کے ممبران کی ایک کثیر تعداد قومی ترانہ زبانی نہیں سنا سکتی۔ ہمارے سیاسی اکابرین سمیت دیگر رہنماء انگریزی (چاہے ٹھیک سے بولنی نہ بھی آتی ہو) بولنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ جب کسی قوم کے قائدین ہی اپنی تہذیب اور زبان سے محبت کرنے کی بجائے کسی دوسری زبان اور تہذیب سے مرعوب اور مغلوب بھی ہوں تو باقی قوم کا کیا بنے گا؟ غیر زبانیں سیکھنے اور اس پر دسترس رکھنے میں کوئی برائی نہیں بلکہ وقت کی ضرورت بھی ہے مگر اپنی روایات، تہذیب اور زبان کا فکر کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم اپنی تہذیب، روایات، اور زبان کا خیال نہیں رکھیں گے تو آنے والی نسلوں کو علامہ اقبال، وارث شاہ، بلھے شاہ، اسد اللہ خان غالب، فیض احمد فیض، منٹو، جیسے عظیم لوگوں کے افکار کا کیا پتہ ہوگا؟ اپنی ثقافت، روایات، تہذیب اور زبان کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے ہمیں معاشی بد حالی کی دلدل سے جلد سے جلد باہر نکلنا ہوگا۔ معاشی استحکام کے بغیر تہذیب اور زبان کا غالب ہونا تو درکنار آزاد ہونا بھی ممکن نہیں۔ ہمسایہ ملک بھارت کو دیکھیں تو اس نے نصاب تعلیم کو جب سے موجودہ دور کی ضرورت کے مطابق ڈھالا ہے اس کی معاشی حالت میں تیزی سے تبدیلی آنا شروع ہوگئی ہے۔ معاشی بہتری کی وجہ سے اس کی تہذیب و روایات تنزلی کا شکار ہونے سے بچ گئے۔ تہذیب کے زوال سے بچنا زبان کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ سائنس ٹیکنالوجی کے دور میں ذرائع ابلاغ قوم کا مزاج اور سوچ کا انداز بدلنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مگر بدقسمتی سے ہمارا میڈیا خود بیرونی تہذیب اور زبان کے تسلط سے آزاد نہیں۔ وطن عزیز کی معیشت تباہی کی آخری حد عبور کر چکی ہے۔ اب ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو ملک کو معاشی بحران کے سمندر میں غرق ہونے سے بچائے۔ انتخابات چند ماہ میں ہونے کی امید ہے، پاکستانی عوام کا یہ قومی فرض ہے کہ ووٹ ڈالتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ وطن عزیز اب روایتی سیاسی لٹیروں اور ڈاکوؤں کا متحمل نہیں۔ اپنے ووٹ کا دیانتداری سے استعمال کریں اور ملک کی باگ دوڑ ایسی قیادت کو سونپی جائے جو ملک کو دنیا میں قابل عزت مقام دلائے، معاشی استحکام لائے تاکہ ہم اپنی تہذیب اور زبان کو بھی بچا سکیں کیونکہ ماں اور ماں بولی دنیا کی اہم اور مقدس ترین ہستی اور شے ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن-سرے
11-11-2012.
sohailloun@gmail.com